رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان

[یہ اُس کتاب کا ایک باب ہے جو میری مختلف کتابوں اور مضامین سے سیرت پاک پر مرتب کی جا رہی ہے۔ اس میں جہاں "اضافہ از مؤلف" لکھا گیا ہے وہ نیا اضافہ ہے اور جہاں کوئی عبارت میری کسی کتاب سے نقل کی گئی ہے وہاں اس کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ ابوالاعلیٰ]

حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ بات تاریخی طور پر مسلّم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل کی اُس شاخ سے تھا جو اُن کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ سے چلی ہے اور بنی اسماعیل کہلاتی ہے۔ حضورؐ کی سیرت سے اِس معاملہ کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ آپ کے ذکرِ مبارک کو حضرت ابراہیم و اسماعیل کے حالات سے ہی شروع ہونا چاہیے، کیونکہ اس کے بغیر نہ یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ عراق کا یہ خاندان اندرونِ عرب کے ایک دور دراز مقام، مکہ کیسے پہنچا، یہاں قبلۂ اہلِ توحید کی بنا کیسے پڑی، اور عرب کے اکثر و بیشتر قبائل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا رشتہ تھا جس کی وجہ سے آپ اِس ملک میں ایک غیر معروف نہیں بلکہ خوب جانی بوجھی شخصیت تھے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے حضرت ابراہیمؑ عراق کے رہنے والے تھے۔ اُن کا وطن اُرؔ، عراق کے نمرود خاندان کا دارالسلطنت تھا۔ ۲۱۰۰ء قبل مسیح کے لگ بھگ زمانے میں، جو بالعموم محققین کے نزدیک حضرت ابراہیمؑ کے ظہور کا زمانہ سمجھا جاتا ہے، یہ ایک بہت بڑا مرکزِ تمدن و تجارت تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ اس قوم کے شرک کا گڑھ بھی یہی تھا۔ حضرت ابراہیم نے جب اس قوم میں شرک کی مخالفت اور توحید کی دعوت کا آغاز کیا تو ملک کی حکومت، ساری قوم، ان کا اپنا خاندان، حتیٰ کہ اُن کا باپ بھی اُن کا دشمن ہو گیا، اور جب وہ سب اُن کو ڈرا دھمکا کر اس کام سے باز رکھنے میں ناکام ہو گئے تو آخر کار انہوں نے متفق ہو کر آنجنابؑ کو زندہ جلا دینے کے لیے آگ سے بھری ہوئی ایک خندق میں پھینک دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے آگ کو

ٹھنڈا کر دیا اور آپ اِس خندق سے زندہ و سلامت نکل آئے۔ یہ قصّہ تفصیل کے ساتھ قرآن مجید میں مذکور ہے (ملاحظہ ہو الانبیاء آیات ۶۸-۶۹۔ العنکبوت، آیت ۲۴ سا الصّٰفّٰت، ۹۷-۹۸)۔

قرآن مجید کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ اپنا وطن چھوڑ کر سرزمین شام و فلسطین کی طرف ہجرت کر گئے جو اُس زمانہ میں ارضِ کنعان کہلاتی تھی۔ اِس ہجرت میں اُن کے بھتیجے حضرت لوطؑ ان کے ساتھ تھے کیونکہ وہی ان کی قوم میں سے ایمان لائے تھے اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا۔ دوسری رفیق حضرت ابراہیم کی بیوی سارہ تھیں جنہوں نے مرتے دم تک آپ کا ساتھ دیا۔ اس باب میں قرآن مجید کی تصریحات حسب ذیل ہیں :۔

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ۔ (الصّٰفّٰت ۹۷-۹۹)	انہوں نے آپس میں کہا "اس کے لیے ایک الاؤ تیار کرو اور اسے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دو۔" انہوں نے اس کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی تھی مگر ہم نے انہی کو نیچا دکھا دیا۔ اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں (یعنی ہجرت کرتا ہوں) وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔
فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ ۔ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (العنکبوت ۲۴تا۲۶)	پھر اس قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا "قتل کر دو یا جلا ڈالو اس کو"۔ آخر کار اللہ نے اسے آگ سے بچالیا..... اُس وقت لوط نے اُس کو (یعنی حضرت ابراہیم کو) مانا اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں، وہ زبردست اور حکیم ہے۔
وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ (الانبیاء-۷۱)	اور ہم اسے (یعنی حضرت ابراہیم کو) اور لوط کو بچا کر اس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے دنیا والوں کے لیے

برکتیں رکھی ہیں لے

وَلُوطًا اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّعِلْمًا (الانبیاء - ۷۴) — اور لوط کو ہم نے حکم اور علم بخشا (یعنی نبوت عطا کی)۔

وَاِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ (الصّٰفّٰت - ۱۳۳) — اور لوط بھی ان لوگوں میں سے تھا جو رسول بنائے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی اس ہجرت کے بعد ان کی قوم کا کیا انجام ہوا؟ اس کی کوئی تفصیل قرآن مجید میں نہیں آئی ہے، مگر سورۂ توبہ آیت ۷۰ میں اُس کا ذکر بھی اُن قوموں میں کیا گیا ہے جو عذاب میں مبتلا کی گئیں۔

رہی یہ بات کہ ہجرت میں حضرت لوطؑ کے ساتھ حضرت سارہ بھی حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ تھیں، تو اس کی تصریح اگرچہ قرآن میں نہیں کی گئی ہے، لیکن قرآن کے بعض بیانات سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت ابراہیمؑ شادی شدہ تھے اور ان کی اہلیہ ہجرت میں ان کے ساتھ شریک تھیں۔ مثلاً سورۂ صافات میں ہے کہ ہجرت کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ "میرے پروردگار مجھے صالح اولاد عطا فرما"۔ یہ دعا ایک شادی شدہ آدمی ہی کر سکتا تھا اور وہ بھی اُس صورت میں جبکہ وہ وطن سے ہجرت کرتے وقت یہ دعا کر رہا ہو۔ بائیبل کے تاریخی بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس ہجرت میں حضرت سارہ شامل تھیں۔ لیکن اس سلسلہ میں بائیبل کے دوسرے بیانات بالکل بے سرو پا ہیں۔ مثلاً وہ کہتی ہے کہ حضرت سارہ حضرت لوطؑ کی حقیقی بہن اور حضرت ابراہیمؑ کی سگی بھتیجی تھیں جن سے انہوں نے نکاح کیا تھا، اور اِس ہجرت میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ اُن کا باپ بھی شریک تھا (پیدائش، باب ۱۱- فقرات ۲۷ تا ۳۲)۔ حالانکہ صرف قرآن ہی نہیں تلمود بھی یہ شہادت دیتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر دعوتِ توحید کی پاداش میں جو مظالم کیے گئے تھے اُن میں خود اُن کا باپ بھی شریک تھا (منتخبات تلمود از ایچ پولانو، لندن، صفحہ ۳۰ تا ۴۲)۔ نیز یہ بات خدا کی کسی شریعت میں بھی جائز نہ تھی کہ کوئی شخص اپنی سگی بھتیجی سے شادی کرے، کجا کہ ایک نبی اس کا مرتکب ہو۔ (اضافہ از مؤلف)

حضرت ابراہیمؑ کی تبلیغی سرگرمیاں

حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی

لے برکت والی زمین اور بستیوں سے مراد شام و فلسطین کا علاقہ ہے جسے سورۂ اعراف آیت ۱۳۷، بنی اسرائیل آیت ۱، اور الانبیاء آیت ۸۱ میں بھی اسی لقب سے یاد کیا گیا ہے (تفہیم القرآن، جلد چہارم، سبا، حاشیہ ۳۱)۔

عالمگیر دعوت پھیلانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ انہوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے ریگستانِ عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت لگا کر اللہ کی اطاعت و فرماں برداری (یعنی اسلام) کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ پھر اپنے اس مشن کی اشاعت کے لیے مختلف علاقوں میں خلیفہ مقرر کیے۔ شرق اُردن میں اپنے بھتیجے حضرت لُوطؑ کو، شام و فلسطین میں اپنے بیٹے حضرت اسحٰاقؑ کو، اور اندرونِ عرب میں اپنے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو مامور کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکے میں وہ گھر تعمیر کیا، جس کا نام کعبہ ہے اور اللہ ہی کے حکم سے وہ اس مشن کا مرکز قرار پایا۔

حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے دو بڑی شاخیں نکلیں: ایک حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جو عرب میں رہی۔ قریش اور عرب کے بعض دوسرے قبائل کا تعلق اسی شاخ سے تھا۔ اور جو عرب کے قبیلے نسلاً حضرت اسماعیلؑ کی اولاد نہ تھے وہ بھی چونکہ اُن کے پھیلائے ہوئے مذہب سے کم و بیش متاثر تھے، اس لیے وہ اپنا سلسلہ اُنھی سے جوڑتے تھے[۵]۔ دوسرے حضرت اسحاقؑ کی اولاد، جن میں حضرات یعقوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور بہت سے انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے اور حضرت یعقوبؑ کا نام چونکہ اسرائیل تھا اس لیے یہ نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ اُن کی تبلیغ سے جن دُوسری قوموں نے ان کا دین قبول کیا، انھوں نے یا تو اپنی انفرادیت بھی اُن کے اندر گم کر دی، یا وہ نسلاً تو اُن سے الگ رہے، مگر مذہباً اِن کے مُتبع رہے۔ اسی شاخ میں جب پستی و تنزل کا دور آیا، تو پہلے یہودیت اور پھر عیسائیت نے جنم لیا۔

حضرت ابراہیمؑ کا اصل کام دنیا کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانا اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے مطابق انسانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا نظام درست کرنا تھا۔ وہ خود اللہ کے مطیع تھے، اس کے دیے ہوئے علم کی پیروی کرتے تھے، دنیا میں اُس علم کو پھیلاتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ سب انسان مالکِ کائنات کے مطیع ہو کر رہیں۔ یہی خدمت تھی، جس کے لیے وہ دنیا کے

---

[۵] چونکہ حضورؐ کے دور تک ڈھائی ہزار سال کے دوران میں اولادِ اسماعیل کے مختلف خاندانوں نے اہلِ عرب کے دوسرے بہت سے خاندانوں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کیے تھے، اس لیے جیسا کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے، یہ دوسرے خاندان بھی اِس مقدس خاندان کے ساتھ رشتہ داری کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے اور اپنے نسب ناموں میں اس کا ذکر کرتے تھے۔ (حاشیہ از مؤلف)

امام و پیشوا بنائے گئے تھے۔ ان کے بعد یہ امامت کا منصب اُن کی نسل کی اُس شاخ کو ملا جو حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ سے چلی اور بنی اسرائیل کہلائی۔ اسی میں انبیاء پیدا ہوتے رہے، اسی کو راہِ راست کا علم دیا گیا، اسی کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ اس راہِ راست کی طرف اقوامِ عالم کی رہنمائی کرے، اور یہی وہ نعمت تھی جسے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار اس نسل کے لوگوں کو یاد دلایا ہے۔ اس شاخ نے حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں بیت المقدس کو اپنا مرکز قرار دیا۔ اس لیے جب تک یہ شاخ امامت کے منصب پر قائم رہی، بیت المقدس ہی دعوت الی اللہ کا مرکز اور خدا پرستوں کا قبلہ رہا۔

(تفہیم القرآن جلد اوّل البقرہ حاشیہ ۱۲۳)

حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش اولادِ ابراہیمؑ کی دوسری شاخ، بنی اسرائیل میں جو دوسرے عیوب پیدا ہوئے ان میں سے ایک عیب یہ بھی تھا کہ تاریخ کو مسخ کر کے ہر فخر کو وہ اپنے لیے مخصوص کرنے لگے، اور جن جن دوسری قوموں سے تاریخ کے دوران میں ان کی کشمکش یا رقابت رہی اُن سب کا منہ کالا کرنے کی انھوں نے پوری کوشش کی۔ اس کی بہت سی مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے نزدیک حضرت لوطؑ سرے سے پیغمبر ہی نہ تھے اور کسی دعوت کے کام پر حضرت ابراہیمؑ نے اُن کو مامور کر کے ارضِ سدوم میں نہیں بھیجا تھا، بلکہ دونوں چچا بھتیجوں میں جھگڑا ہو گیا تھا اور چچا نے بھتیجے کو الگ کہیں اور جا بسنے کے لیے کہہ دیا تھا (پیدائش، باب ۱۳، فقرات ۵ تا ۱۲)۔ دوسری اس سے بھی زیادہ گھناؤنی مثال یہ ہے کہ بائیبل کی رو سے جب قومِ لوط پر عذاب آیا تو حضرت لوطؑ اپنی دو بیٹیوں کو لے کر وہاں سے نکل گئے، اور اپنے چچا کے پاس نہیں گئے جو ارضِ سدوم سے قریب ہی فلسطین کے شہر حبرون میں رہتے تھے، بلکہ ایک غار میں جا کر رہنے لگے۔ وہاں معاذ اللہ ان کی دونوں بیٹیوں نے ان کو شراب پلا کر ان سے ہم آغوشی کی جس سے دونوں حاملہ ہو گئیں۔ ایک سے موآب پیدا ہوا جو موآبیوں کا باپ ہے اور دوسری سے بن عمی پیدا ہوا جو بنی عمون کا باپ ہے (پیدائش، باب ۱۹۔ فقرات ۳۰ تا ۳۸)۔ یہ ڈھنگ ہے جس سے بنی اسرائیل نے موآبیوں اور عمونیوں کے خلاف اپنے دل کا بغض نکالا ہے، کیونکہ بعد کی تاریخ میں اِن قبیلوں سے اُن کی سخت کشمکش برپا رہی ہے۔

ایسا ہی معاملہ ان لوگوں نے بنی اسماعیل سے بھی کیا ہے۔ بائیبل میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت ہاجرہؓ، حضرت سارہؓ کی کنیز تھیں۔ حضرت سارہ نے یہ دیکھ کر کہ وہ بے اولاد ہیں، حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ آپ میری لونڈی کے پاس جائیں تاکہ میرا گھر تو کسی طرح آباد ہو۔ چنانچہ ان کے کہنے پر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت

ھاجرہ سے تمتع کیا اور ان سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے (پیدائش، باب ۱۶ - فقرات ۱ تا ۴ - ۱۵ - ۱۶)۔ حالانکہ بائیبل کی اِسی کتاب پیدائش کے باب ۱۲ فقرہ ۱۶ میں بتایا گیا ہے کہ اُس وقت کے فرعون نے بہت مال مویشی اور غلام اور کنیزیں حضرت ابراہیمؑ کو ہدیے ہیں دی تھیں جن میں سے ایک حضرت ھاجرہ بھی تھیں۔ اس لیے حضرت ھاجرہ کو حضرت سارہ کی کنیز قرار دینا خود بائیبل کی رو سے غلط ہے، اور ان سے تمتع کرنے کے لیے حضرت ابراہیمؑ حضرت سارہ کی اجازت کے محتاج نہ تھے۔

پھر بائیبل بیان کرتی ہے کہ حضرت اسماعیلؑ فلسطین ہی میں حضرت ابراہیم کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ جب وہ ۱۴ برس کے تھے اس وقت حضرت ابراہیم کے ہاں حضرت سارہ سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے (پیدائش، باب ۱۸ - فقرات ۴ تا ۲۶ - اور باب ۲۱ - فقرات ۱ تا ۵)۔ اس کے بعد بائیبل کہتی ہے:

"اور وہ لڑکا (یعنی حضرت اسحاق) بڑھا اور اس کا دودھ چھڑایا گیا اور اضحاق کے دودھ چھڑانے کے دن ابراہام نے بڑی ضیافت کی۔ اور سارہ نے دیکھا کہ ھاجرہ مصری کا بیٹا جو اس کے ابراہام سے پیدا ہوا تھا ٹھٹھے مارتا ہے۔ تب اس نے ابراہام سے کہا کہ اِس لونڈی کو اور اس کے بیٹے کو نکال دے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ ابراہام کو اس کے بیٹے کے باعث یہ بات بری معلوم ہوئی۔ اور خدا نے ابراہام سے کہا کہ تجھے اِس لڑکے اور اپنی لونڈی کے باعث بُرا نہ لگے۔ جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے تو اُس کی بات مان ...... تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور اسے ہاجرہ کو دیا بلکہ اس کے کندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اس کے ساتھ رخصت کر دیا۔ سو وہ چلی گئی اور بیرسبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی۔ اور جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو اس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے مقابل ایک تیر کے ٹپے پر دور جا بیٹھی اور کہنے لگی کہ میں اس لڑکے کا مرنا تو نہ دیکھوں۔ سو وہ اس کے مقابل بیٹھ گئی اور چلا چلا کر رونے لگی۔ اور خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر، کیونکہ خدا نے اُس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اس کی آواز سن لی ہے۔ اُٹھ اور لڑکے کو اُٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا اور خدا اس

لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لیے بیوی لی (پیدائش۔ باب ۲۱۔ فقرات ۸ تا ۲۱)۔

یہ پوری جھوٹی داستان اس لیے گھڑی گئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا عرب، اور مکہ اور کعبہ اور زمزم سے کوئی تعلق سرے سے ظاہر ہی نہ ہو، کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے سفر عرب پر بالکل پردہ ڈال دینے، اور حضرت اسماعیلؑ کے ۱۴ برس تک فلسطین میں قیام اور اس کے بعد یا آخر بیابانِ فاران میں ان کے رہنے اور وہیں پانی کا کنواں برآمد ہونے اور مصر کی کسی عورت سے اُن کی شادی ہونے کا ذکر اسلام کی تاریخ کے اُس پورے باب پر خطِ نسخ پھیر دیتا ہے جس کا تعلق دینِ ابراہیمی کے عربی مرکز سے ہے۔ بائیبل میں فاران کے بیابان کا جو ذکر مختلف مقامات پر کیا گیا ہے اس کی رو سے وہ فلسطین کے جنوب، وادی عرَبہ کے مغرب، دشتِ سینا کے شمال اور مصر و بحر روم کے مشرق میں واقع تھا، عرب کے جبالِ فاران سے اُس کا کوئی تعلق نہ تھا جن میں مکہ واقع ہے۔ اس پر مزید حضرت سارہ اور حضرت ابراہیمؑ کی جو گھناؤنی سیرت اس داستان میں پیش کی گئی ہے، اور جس میں ساتھ ساتھ خود اللہ تعالیٰ کو بھی ملوّث کر دیا گیا ہے اس سے خود بنی اسرائیل کے اخلاقی تصورات کی پستی ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں ایک پیغمبر (حضرت ابراہیمؑ) کی بیوی اور دوسرے پیغمبر (حضرت اسحاقؑ) کی والدہ اس صورت میں ہمارے سامنے آتی ہیں کہ وہ سوکن کے نوجوان بیٹے کا ہنسنا تک برداشت نہیں کرتیں اور شوہر کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اسے اور اس کے لڑکے کو اپنی وراثت سے محروم کر کے گھر سے نکال دے۔ شوہر جو ایک جلیل القدر پیغمبر ہیں، اس شکل میں ہمارے سامنے آتے ہیں کہ وہ اپنے ۱۵-۱۶ برس کے بیٹے کو اس کی ماں سمیت صرف روٹی اور پانی کا ایک مشکیزہ دے کر بیابان میں چھوڑ دیتے ہیں اور پھر اس کی پروا نہیں کرتے کہ یہ مرتے ہیں یا جیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہمیں دکھائی جاتی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے جدِّ امجد حضرت اسحاق اور ان کی ماں کی خاطر حضرت ابراہیمؑ کو یہ ہدایت فرماتا ہے کہ اسحاقؑ کی ماں سوکناپے کے جلاپے کی بنا پر اُن سے جس ظلم کی فرمائش کر رہی ہیں اس کا وہ ارتکاب کر ڈالیں۔ یہ ساری داستان خود اپنی داخلی شہادت کی بنا پر جھوٹ کی ایک پوٹ ہے۔ تاریخ کے باعزت نام سے اس کو موسوم کرنا لفظ تاریخ کی توہین ہے۔

اس کے مقابلے میں صحیح تاریخ ہم کو قرآن و حدیث سے معلوم ہوتی ہے جس کی تائید ۴ ہزار برس کی متواتر روایات کرتی ہیں جو اہل عرب میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہی ہیں۔

قرآن مجید کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے وطن سے ہجرت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ "میرے پروردگار، مجھے صالح اولاد عطا فرما" (الصّٰفّٰت ۱۰۰)۔ یہ دعا ایک طویل مدت گزرنے کے بعد پوری ہوئی جب کہ حضرت ابراہیمؑ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید ہی میں حضرت ابراہیم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ "شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیلؑ اور اسحاقؑ عطا کیے" (ابراہیم - ۳۹)۔ ان دونوں صاحبزادوں کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو ان کے پیدا ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ پہلے حضرت اسماعیلؑ کی بشارت ان الفاظ میں دی کہ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ "پس ہم نے اس کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی" (الصّٰفّٰت ۱۰۱)۔ اور اس کے کئی سال بعد، جب حضرت اسماعیلؑ جوانی کی عمر کے قریب پہنچ چکے تھے، دوسرے صاحبزادے کی بشارت یوں دی وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ "اور فرشتوں نے اُن کو (یعنی حضرت ابراہیم کو) ایک ذی علم لڑکے کی خوشخبری دی" (الذّٰریٰت ۲۸)۔ یہ دوسری بشارت جب دی گئی تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰۤى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ "کیا تم اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو؟ بھلا سوچو تو سہی کہ یہ کیسی بشارت ہے جو تم دے رہے ہو"؟ (الحجر - ۵۴)۔ اور حضرت سارہ کا بشارت سن کر یہ حال ہوا فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ۔ "اُس کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اس نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہنے لگی بوڑھی بانجھ" (الذّٰریٰت، ۲۹)۔ ان آیات کی بنا پر بائیبل کے اس بیان کو صحیح سمجھا جا سکتا ہے کہ ۸۶ سال کی عمر میں حضرت ابراہیمؑ کے ہاں حضرت اسماعیلؑ، اور سو سال کی عمر میں حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے (پیدائش، باب ۱۶، فقرہ ۱۶۔ اور باب ۲۱ - فقرہ ۵)۔

حضرت اسماعیلؑ کا مکہ میں آباد کیا جانا اوپر کے بیان سے یہ بات تو معلوم ہو چکی کہ حضرت اسماعیلؑ اپنے والد ماجد کے پہلے بیٹے تھے جو بڑھاپے میں پیدا ہوئے تھے۔ ایک عام باپ کو اس عمر میں اولاد نصیب ہونا اس بات کا متقاضی تھا کہ وہ اس بچے کو (جو پہلوٹھا ہی نہیں بلکہ چودہ برس تک اکلوتا بھی تھا) سینے سے لگا کر رکھتا اور آنکھوں سے اس کا اوجھل ہونا بھی گوارا نہ کرتا۔ مگر حضرت ابراہیمؑ پیغمبر تھے جن کے لیے سب سے مقدم چیز وہ دعوتِ حق تھی جس کی خاطر انھوں نے وطن میں مظالم سہے، ہجرت کی، دیارِ غیر کی برسوں خاک چھانتے پھرے، اور ہر جگہ خدا کا پیغام پہنچانے میں اپنی ساری طاقتیں اور محنتیں خرچ کر دیں۔ اس عزیز و محبوب بچے کی پیدائش کے بعد ان کو سب سے پہلے یہ فکر ہوئی کہ عرب میں دعوتِ توحید کے اُس مرکز کی بنا ڈال دیں جہاں سے دنیا میں آخری نبوت کا ظہور

ہونا تھا اور جسے قیامت تک کے لیے اِس دعوت کا مرکز رہنا تھا۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی حضرت ابراہیمؑ کو اُس مقام کی نشان دہی کر دی تھی جہاں اِس مرکز کی تعمیر مطلوب تھی، چنانچہ سورۂ حج میں ارشاد ہوا ہے کہ وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ ۔ "یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر (خانۂ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی" (آیت ۲۶)۔ اِس ہدایت کے مطابق اللہ کے اُس عظیم بندے نے اپنے چھوٹے سے بچے کو، جو ابھی دودھ ہی پی رہا تھا، اُس کی حیرت انگیز صبر و توکل رکھنے والی ماں کے ساتھ، ٹھیک اُس مقام پر لے جاکر بظاہر بالکل بے سہارا چھوڑ دیا جہاں آخر کار اُن کو خانۂ کعبہ تعمیر کرنا تھا۔

بخاری میں اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن عباس کے حوالہ سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اس روایت میں جس طرح ابن عباسؓ نے جگہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نقل کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہے ہیں وہ حضورؐ سے سن کر بیان کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ کو، جبکہ وہ ابھی دودھ پی رہے تھے، لے کر آئے اور ان کو ایک درخت کے نیچے اُس جگہ چھوڑ دیا جہاں بعد میں زمزم نکلا۔ مکہ کی سنسان وادی میں اس وقت کوئی ایک انسان بھی موجود نہ تھا اور نہ کہیں پانی پایا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے چمڑے کا ایک تھیلا، جس میں کھجوریں تھیں، اور پانی کا ایک مشکیزہ حضرت ہاجرہ کو دیا اور واپس روانہ ہو گئے۔ وہ اُن کے پیچھے چلیں اور کہنے لگیں اے ابراہیم کہاں جا رہے ہو؟ اور ہمیں اِس سنسان بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑے جاتے ہو؟ یہ بات حضرت ہاجرہ نے کئی مرتبہ کہی مگر حضرت ابراہیمؑ نے پلٹ کر نہ دیکھا[۱]۔ آخر حضرت ہاجرہ نے کہا کیا اللہ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ جواب میں انہوں نے بس اتنا فرمایا کہ ہاں۔ اس پر وہ بولیں کہ اگر یہ بات ہے تو اللہ ہمیں ضائع نہیں

۱؎ پلٹ کر نہ دیکھنے کی وجہ بے دردی اور بے پروائی نہ تھی۔ حضرت ابراہیمؑ پیغمبر عظیم ہی سہی، بہرحال تھے تو انسان ہی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اِتنا بڑا خطرہ مول لے رہے تھے کہ پہاڑوں کے درمیان ایک سنسان وادی میں اپنے دودھ پیتے بچے اور اس کی ماں کو چھوڑے جا رہے تھے۔ اُس وقت ان کے دل پر جو کچھ گزر رہی ہو گی اس کا اندازہ اِس صورت حال کا تصور کر کے ہر شخص کر سکتا ہے۔ اس حالت میں اگر وہ بیوی اور بچے کی طرف پلٹ کر دیکھتے تو ممکن ہے کہ دل بھر آتا اور ارادے میں تزلزل پیدا ہو جاتا۔ اس لیے سینے پر پتھر رکھ کر چل پڑے اور جب پیچھے آنے والی بیوی نے بار بار پوچھا تو اس کی طرف دیکھے بغیر بس ہاں کہہ دیا۔

فرمائے گا۔ اور پلٹ کر بیٹے کے پاس آبیٹھیں۔ حضرت ابراہیمؑ جب پہاڑ کی اوٹ میں پہنچے جہاں سے یہ ماں بیٹے نظر نہ آتے تھے تو بیت اللہ کی طرف (یعنی اس جگہ کی طرف جہاں آخرکار انہیں بیت اللہ تعمیر کرنا تھا) رخ کیا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا رَبَّنَآ إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ ٱلۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ فَٱجۡعَلۡ أَفۡـِٔدَةٗ مِّنَ ٱلنَّاسِ تَهۡوِيٓ إِلَيۡهِمۡ وَٱرۡزُقۡهُم مِّنَ ٱلثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُونَ "پروردگار، میں نے ایک بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ یہاں نماز قائم کریں، لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے شاید کہ یہ شکر گزار بنیں" (ابراہیم - ۳۷)۔ ادھر اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کو دودھ پلاتی رہیں اور مشکیزہ کا پانی پیتی رہیں۔ جب پانی ختم ہوگیا تو انہیں اور بچے کو پیاس لگنی شروع ہوئی۔ وہ بچے کو تڑپتا ہوا دیکھتی رہیں۔ آخر بچے کی حالت ان سے نہ دیکھی گئی اور وادی کی طرف یہ دیکھنے کے لیے چل پڑیں کہ کوئی آدمی نظر آئے، مگر کوئی نظر نہ آیا۔ پھر صفا کی پہاڑی سے اتر کر وادی کے بیچ میں آئیں اور اپنا بازو اٹھا کر اس طرح دوڑیں جیسے کوئی مصیبت زدہ انسان دوڑتا ہے۔ پھر مروہ کی پہاڑی پر چڑھ کر دیکھنے لگیں کہ کوئی آدمی نظر آتا ہے یا نہیں۔ مگر کوئی نظر نہ آیا۔ یہ فعل انہوں نے سات مرتبہ (صفا اور مروہ کے درمیان) کیا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِسی وجہ سے لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں[۱]۔ آخری مرتبہ جب وہ مروہ کی پہاڑی پر چڑھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی۔ اپنے آپ سے کہنے لگیں "چپ رہ" (یعنی شور مچانا بند کر) اور غور سے سننے لگیں۔ آواز پھر آئی۔ انہوں نے کہا "اے شخص، تو نے اپنی آواز مجھے سنا دی، کیا تیرے پاس میری فریاد رسی کے لیے کچھ ہے؟" یکایک انہوں نے زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ دیکھا (ابراہیم بن نافع اور ابن جریج کی روایت میں ہے کہ جبریلؑ کو دیکھا) کہ وہ اپنی ایڑی یا

[۱] یہ اس واقعہ کا اہم ترین تاریخی ثبوت ہے۔ کعبہ کی تعمیر کے بعد جب سے حج کا سلسلہ حضرت ابراہیمؑ ہی کے زمانے میں شروع ہوا اُس وقت سے آج تک سینکڑوں، پھر ہزاروں، پھر لاکھوں پھر کروڑوں انسان اس واقعہ کی یاد میں سعی بین الصفا والمروہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ یہ ہزاروں برس کا متواتر عمل جو بلا انقطاع اُس وقت سے آج تک ہو رہا ہے، اس واقعہ کا ایسا ثبوت ہے جس سے بڑھ کر کسی تاریخی واقعہ کا ثبوت دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس بائیبل بیابانِ فاران کا جو واقعہ بیان کرتی ہے وہاں نہ پہلے کبھی اس طرح کی سعی ہوئی، نہ آج ہو رہی ہے۔

بازو سے زمین کھود رہے ہیں، یہاں تک کہ پانی نکل آیا۔ حضرت ہاجرہ لپ بھر بھر کر وہ پانی مشکیزہ میں بھرنے لگیں اور جیسے جیسے وہ پانی بھرتی گئیں پانی ابل ابل کر اوپر آتا رہا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ اسماعیلؑ کی ماں پر رحمت فرمائے، اگر وہ زمزم کو اسی حالت پر چھوڑ دیتیں (یعنی چاروں طرف مٹی ڈال کر اسے نہ گھیر لیتیں) تو زمزم بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔" اس طرح حضرت ہاجرہ پانی پینے لگیں اور اپنے بچے کو دودھ پلانے لگیں۔ فرشتے نے ان سے کہا "ضائع ہونے کا اندیشہ نہ کرو۔ یہاں اللہ کا گھر ہے جسے یہ بچہ اور اس کا باپ دونوں تعمیر کریں گے اور اللہ اس گھر کے لوگوں کو ضائع نہیں کرے گا۔" یہ حالت کچھ مدت رہی تھی کہ قبیلۂ جرہم[1] کے کچھ لوگ کَدا کی طرف سے آئے اور مکہ کے نیچے کی طرف ٹھہرے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ ایک مقام کے گرد اڑ رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ "یہ پرندہ تو پانی پر چکر لگا رہا ہے۔ ہم اس سے پہلے بھی اس وادی سے گزرے ہیں مگر یہاں کوئی پانی نہ تھا۔" پھر انہوں نے اپنے ایک دو آدمی بھیجے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں پانی موجود ہے۔ انہوں نے واپس جا کر ان لوگوں کو اس کی خبر دی۔ وہ آئے تو حضرت اسماعیلؑ کی والدہ کو وہاں پایا۔ انہوں نے کہا کیا تم ہمیں اجازت دیتی ہو کہ ہم تمہارے پاس اتر جائیں؟ انہوں نے کہا ہاں، مگر پانی تمہارا نہیں بلکہ میرا ہے۔ انہوں نے یہ بات مان لی۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس جرہمی نے اسماعیلؑ کی ماں کو ملنسار پایا، اور وہ خود بھی چاہتی تھیں کہ کچھ انسان یہاں آباد ہوں۔" چنانچہ وہ لوگ وہاں ٹھہر گئے اور اپنے خاندان والوں کو بھی وہاں بلا لیا یہاں تک کہ کئی خاندان وہاں بس گئے۔ حضرت اسماعیلؑ انہی لوگوں میں پلے بڑھے اور انہی سے عربی زبان سیکھی[2]۔ جرہمیوں کو یہ لڑکا بہت پسند آیا اور وہ یہ چاہنے لگے کہ انہی کے ہاں اس لڑکے کی شادی ہو۔

بیٹے کی قربانی کا واقعہ حضرت ابراہیمؑ اپنے پیارے بیٹے اور بیوی کو اس وادی میں چھوڑ کر ان سے بے پروا نہیں ہو گئے تھے بلکہ وقتاً فوقتاً خبر گیری کے لیے آتے اور کچھ مدت تک قیام[3] فرماتے رہتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسی جگہ اپنی بیوی اور دودھ پیتے بیٹے کو چھوڑتے وقت دعا مانگی تھی کہ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا "اے میرے رب، اس کو پرامن شہر بنا دے۔" ٹھیک اس دعا کے مطابق وہی سنسان مقام اب ایک بستی بن چکا تھا اور یہ بات

[1] یہ یمن کے قدیم قحطانی عربوں کا ایک قبیلہ تھا۔

[2] عربی حضرت ابراہیمؑ کی زبان نہ تھی کیونکہ وہ عراق کے رہنے والے تھے اور پھر کنعان میں آباد ہوئے۔ حضرت ہاجرہ کی زبان بھی عربی نہ تھی کیونکہ وہ مصری تھیں۔

عین قرین قیاس ہے کہ حضرت ابراہیم نے اِس دوران میں اِس جگہ بسنے والے جرہمیوں کے اندر اسلام کی تبلیغ بھی ضرور کی ہوگی۔ اس کے بعد وہ واقعہ پیش آیا جو تاریخ انسانی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، یعنی حضرت ابراہیمؑ اپنے بڑھاپے کی اولاد، اپنے پہلوٹھے اور اکلوتے بیٹے کو، ایسی حالت میں جبکہ وہ جوانی کی عمر کے قریب پہنچ رہا تھا، اپنے رب کا ایک اشارہ پاتے ہی قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ قرآن مجید میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ۔

(الصّٰفّٰت۔ ۱۰۲ تا ۱۰۷)

پھر جب وہ لڑکا اُس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیم نے کہا "بیٹا، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تو بتا، تیرا کیا خیال ہے؟" اس نے کہا "ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے۔ آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔" آخر کو جب ان دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا اور ہم نے اس کو ندا دی کہ "اے ابراہیم، تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی" اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔

یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا تھا اور حضرت ابراہیمؑ جس مقام پر بیٹے کو قربانی کے لیے لے گئے تھے وہ منیٰ کا مقام تھا جہاں آج تک اُسی تاریخ (۱۰ ذی الحجہ) کو قربانیاں کی جا رہی ہیں[۱]۔ نیز یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا تھا جب حضرت اسماعیلؑ کی عمر ۱۲-۱۳ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اور حضرت اسحاق ابھی پیدا نہ ہوئے تھے، کیونکہ اسی سورۂ صافات میں اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

---

[۱] منیٰ لے جانا اس لیے ضروری تھا کہ مکہ میں اُس وقت آبادی ہو چکی تھی اور حضرت اسماعیل کی والدہ ماجدہ بھی وہاں موجود تھیں۔ اسی وجہ سے آپ مکہ کے باہر منیٰ کی سنسان پہاڑیوں میں بیٹے کو لے گئے۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ "اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ کی بشارت دی، ایک نبی صالحین سے" (آیت ۱۱۲)۔

مذکورہ بالا آیات میں چند امور تشریح طلب ہیں جن کی ہم یہاں وضاحت کرتے ہیں:

(۱) حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ انھوں نے بیٹے کو ذبح کر دیا ہے بلکہ یہ دیکھا تھا کہ وہ اسے ذبح کر رہے ہیں۔ لیکن اُس وقت انھوں نے خواب کا مطلب یہی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے صدقِ ایمانی کا امتحان لینے کے لیے بیٹے کی قربانی طلب فرما رہا ہے، اس لیے وہ ٹھنڈے دل سے اپنے لختِ جگر کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

(۲) صاحبزادے سے پوچھنے کا مقصد یہ نہ تھا کہ تو راضی ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کروں ورنہ نہ کروں، بلکہ حضرت ابراہیمؑ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے جس صالح اولاد کے عطا کرنے کی دعا مانگی تھی، وہ فی الواقع کس قدر صالح ہے؟ اگر وہ خود بھی اللہ کی خوشنودی پر جان دینے کے لیے تیار ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دُعا مکمل طور پر قبول ہوتی ہے اور بیٹا محض جسمانی حیثیت ہی سے ان کی اولاد نہیں ہے بلکہ اخلاقی رُوحانی حیثیت سے بھی واقعی ان کا سپوت ہے۔

(۳) حضرت اسماعیلؑ کا یہ کہنا کہ "جس چیز کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے" یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر باپ کے خواب کو اللہ کا حکم اور بمنزلہ وحی سمجھتے تھے۔ اگر ان کا یہ خیال صحیح نہ ہوتا تو حضرت ابراہیمؑ فرماتے کہ یہ محض خواب ہے حکم نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان آیات میں ان کے اس خیال کی تردید فرما دیتا۔ یہ بات منجملہ ان دلائل کے ہے جن کی بناء پر اسلام میں نبی کے خواب کو یکے از اقسامِ وحی مانا جاتا ہے۔

(۴) حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے چت نہیں لٹایا بلکہ پیشانی کے بل لٹایا، تاکہ بچے کا منہ دیکھ کر پدرانہ شفقت ہاتھ میں لرزش نہ پیدا کر دے۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ نیچے سے ہاتھ ڈال کر گلے پر چھری چلائیں۔

(۵) قبل اس کے کہ حضرت ابراہیمؑ بیٹے کو ذبح کرتے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "اے ابراہیمؑ تو نے خواب سچ کر دکھایا" اس بنا پر بالکل بجا اور درست تھا کہ خواب میں یہ نہیں دکھایا گیا تھا کہ آپ نے بیٹے کو ذبح کر دیا ہے، بلکہ یہ دکھایا گیا تھا کہ آپ ایسا کر رہے ہیں۔ اس لیے جب آپ نے وہ بات پوری کر دی جو خواب میں

دفعہ ۴ ۔ مکرر جرم کرنے والے مجرم کی توبہ سے متعلق تحقیقی کارروائیاں[۵]

(۱) دوبارہ جرم کرنے والے مجرم کو سابقہ دفعہ کے بند نمبر ۱ کی روشنی میں تین سال جیل میں رہنے سے قبل رہا نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) مجرم کو اس بات کا حق ہے کہ یہ مدت (تین سال) گزر جانے کے بعد نیابت عامہ (پبلک پراسیکیوٹر) کے پاس درخواست پیش کرے جس میں سرقہ یا حرابہ سے توبہ کا اعلان ہو، پھر نیابت عامہ اس بات کی تحقیق کرے اور جیل میں اس کے چال چلن کے بارے میں متعلقہ لوگوں سے پوچھ گچھ کرے، اور یہ بھی کہ کیا اس کو رہا کرنے سے اصلاح کی امید ہے یا نہیں؟ (ان تحقیقات و استفسارات کے بعد) پبلک پراسیکیوٹر اپنی تحقیقات کے اوراق اپنی رائے کے ساتھ اس عدالت میں پیش کرے جہاں سے (مجرم کی سزا کا) فیصلہ صادر ہوا تھا۔

(۳) عدالت مجرم کو رہا کرنے کا فیصلہ صادر کرے گی اگر اس کے نزدیک مجرم کی توبہ ثابت ہو گئی۔ عدالت کو اس بات کا حق ہو گا کہ وہ جیل سے رہائی کے بعد کچھ مدت کے لیے اس کی نگرانی کی شرط بھی لگا دے۔ نگرانی کی یہ مدت اس باقی مدت سے زیادہ نہیں ہو سکتی جتنی مدت کے لیے جیل کا فیصلہ عدالت نے مجرم کے حق میں پہلے صادر کیا تھا۔ (عدالت جرم سے باز رکھنے کے لیے) دوسری حفاظتی تدابیر کا حکم بھی دے سکتی ہے، بشرطیکہ وہ حریت (انسانی آزادی) کو مقید نہ کرتی ہوں۔

(۴) اگر عدالت نے (توبہ کی) درخواست نامنظور کر دی تو نامنظوری کی تاریخ سے (پورے) ایک سال تک دوبارہ (مجرم) درخواست پیش نہیں کر سکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) معافی اور جیل سے رہائی کی شرط ساقط کر دی ہے، تاکہ چور کے لیے دوسری بار چوری کرنے میں عدم قطع کی جو آسانی فراہم کی گئی تھی اس کا وہ ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ خدا کے دربار میں معافی تو ہر وقت ممکن ہے۔ مقنن نے اس طرح مزید چوری کا دروازہ بالکل بند کر دیا۔

[۵] دراصل توبہ خدا اور بندہ کے درمیان ہوتی ہے اور یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس سے گناہ گار کو گناہ سے نفرت ہو جاتی ہے اور وہ گناہ سے باز رہنے کا عہد کرتا ہے۔ لیکن قانونی طور پر اس کی تحقیق اور تیقّن ضروری ہے اور شریعت کے اصولوں اور مصلحت کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس سے مقصود سوسائٹی اور فرد کی اصلاح ہے۔